بسم اللہ الرحمن الرحیم

# اشارات

جماعتِ اسلامی نے پچاس سال سے جس کام کا بیڑا اُٹھایا ہوا ہے وہ دعوت الی اللہ، شہادتِ حق، انقلابِ امامت اور اقامتِ دین کے لیے منظم جدوجہد کا کام ہے۔ یہ کام ایک عظیم الشان اور گراں بار کام ہے۔ دعوت اِلی اللہ کا کام یہ ہے کہ ہم اللہ کے زیادہ سے زیادہ بندوں کو، مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی، جوانوں کو بھی اور بوڑھوں کو بھی، پڑھے لکھوں کو بھی اور اَن پڑھ اور جاہلوں کو بھی، موافقین کو بھی اور مخالفین کو بھی، سب کو اللہ کی طرف بلائیں کہ وہ اس کے سامنے جُھک جائیں، صرف اس کے بندے بن کر زندگی بسر کریں، اور اس سے ملاقات کی تیاری کریں۔ یہ کام ایک انتہائی بھاری ذمہ داری ہے۔ شہادتِ حق کا کام یہ ہے کہ جہاں تک ہمیں استطاعت ہو، ہماری زبان اور قلم سے جو کچھ نکلے وہ حق کے مطابق ہو، اور ہم جو کام کریں اور جو رویّہ اختیار کریں وہ بھی حق کے مطابق ہو۔ اس کا کم سے کم لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ ہمارے قول اور فعل میں کوئی تضاد نہ ہو۔ اس معیار پر پورا اُترنا بھی کوئی آسان اور معمولی کام نہیں۔ اسی طرح انقلابِ امامت اور اقامتِ دین کا کام بھی کوئی ہلکا اور آسان کام نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ "دنیا کے پورے نظامِ زندگی کو بدل ڈالنا ہے، دُنیا میں جو نظام خدا سے بغاوت پر قائم ہے اُسے بدل کر خدا کی اطاعت پر قائم کرنا ہے، اور اس کام میں تمام شیطانی طاقتوں سے جنگ ہے"۔

یہ کام وہ کام ہیں جن کو بجا طور پر کارِ رسالت کہا جا سکتا ہے۔ یہ خیال تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں آنا چاہیے کہ ہم گذشتہ پچاس سال میں جو کچھ بھی کر سکے ہیں، ہم سے جتنی کچھ بھی اللہ کے دین کی خدمت بن پڑی ہے، اس سے اس عظیم الشان کام کا کسی درجہ میں بھی حق ادا ہو سکا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا، اور رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا ہی ہمارے قلب و رُوح اور زبان کا وظیفہ ہونا چاہیے۔ لیکن اللہ کے اس عظیم الشان فضل و احسان پر ہم جتنا شکر ادا کریں وہ کم ہے کہ اُس نے نہ صرف ہمیں اقامتِ دین کے لیے منظم جدوجہد کی راہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائی، بلکہ عملاً اپنے دین کی خدمت کی توفیق بھی عنایت کی۔

مستقبل کی راہوں پر آگے بڑھتے ہوئے، یہ ضروری ہے کہ ہم ہر وقت، اور خصوصاً اس موقع پر، یہ یاد رکھیں کہ آج تک اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو کچھ بھی کامیابی عطا فرمائی ہے اس کے اصل اسباب کیا ہیں۔ اس لیے کہ عوامی دعوت، اصلاحِ معاشرہ اور پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنانے کی جو جدوجہد ۱۹۴۷ء میں شروع ہوئی تھی اس کو مستقبل میں تیز سے تیز تر ہی کرنا ہوگا۔ اس کام میں اب تک جو بھی کامیابی ہوئی ہے وہ انہی اسباب سے ہوئی ہے، اور آئندہ جو کچھ ہوگی وہ بھی انہی اسباب سے ہوگی۔ بلکہ بڑھتی ہوئی عوامی اور سیاسی جدوجہد کے دَور میں یہ زیادہ ضروری ہے کہ ہم ان اسباب کے اہتمام کی فکر کریں، نہ یہ کہ اس جدوجہد کے بارے ہی میں شک و شبہ میں پڑ جائیں، یا واپس پلٹنے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیں۔

اپنے نبیؐ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان اسباب کو دو باتوں کے اندر سمیٹ کر بیان فرما دیا ہے ایک نصرتِ الٰہی، دوسرے جماعتِ مومنین ___ اور واضح کر دیا ہے کہ تائیدِ الٰہی، کہ جس کے بغیر کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی، انہی دو اسباب سے حاصل ہوتی ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ (الانفال ۸:۶۲)

ایک یہ کہ ہم ایسے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کے مستحق ہوں، اور اس کی نصرت ہمیں حاصل ہو۔ دوسرے یہ کہ ہم صحیح معنوں میں مومنین کی ایک جماعت ہوں۔

جہاد فی سبیل اللہ میں نصرتِ الٰہی کا مستحق بننے کے لیے اصل چیز یہ ہے کہ ہم واعتصموا باللہ کے اہتمام وسعی میں لگے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ الحج کے آخر میں بھی اس طرف واضح اشارہ فرمایا ہے اور ہر مرحلہ میں اس کی ہدایت کی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی برابر اس کی تاکید فرماتے رہے۔ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ۵۰ سال قبل، آغاز کار ہی میں اس امر کو کھول کر بیان کر دیا تھا: "اس تحریک کی جان در اصل تعلق باللہ ہے۔ اگر اللہ سے آپ کا تعلق کمزور ہو تو آپ حکومتِ الٰہیہ قائم کرنے اور کامیابی سے چلانے کے اہل نہیں ہو سکتے" (روداد حصہ اوّل، ص ۴)

اعتصام باللہ کی یہ اہمیت انسانی زندگی کی اس بنیادی حقیقت کی وجہ سے ہے جس کی علامہ اقبال نے بڑے خوب صورت انداز میں یوں نشاندہی کر دی ہے:

زندگانی را بقا از مدعا است
کاروانش را درا از مدعا است

انسانی جسم کی زندگی تو سانس کے ساتھ وابستہ ہے، لیکن اس کی معنوی اور اجتماعی زندگی کی رُوح اس کا مدّعا اور مقصد ہے۔ اور انسانی جماعتوں کا تو کوئی جسمانی وجود ہوتا ہی نہیں، ان کی زندگی کے لیے مدعا و مقصد ہی رُوح کی حیثیت رکھتا ہے۔

اعتصام باللہ کا سب سے اہم اور بنیادی پہلو، جو ہماری نگاہوں سے اوجھل نہ ہونا چاہیے، یہی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہمارا مدّعا اور مقصود و مطلوب ہے۔ یعنی اس کی رضا، اور اس کا انعام جنت۔ یہی ہدف اور منزل ہیں۔ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ کی دعوت اور جنت و مغفرت کی طرف سَارِعُوْٓا اور سَابِقُوْٓا کی صدائیں اللہ کے مدّعا و مقصود اور ہدف ہونے ہی کو بیان کر رہی ہیں۔ اسی لیے ہم نے اپنے دستور میں یہ بات رقم کی ہے کہ جس چیز پر ہماری نگاہیں جمی رہنی چاہئیں، جس سے ہٹ

کہ ہماری نگاہوں کو اِدھر اُدھر بھٹکنا نہیں چاہیے، وہ رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ انفرادی طور پر آخرت میں ہماری کامیابی کا انحصار تو اس پر ہے ہی، جماعتی طور پر دنیا میں ہماری جان، ہماری بقا کا سامان، ہمارے کارواں کی پیش رفت اور کامیابی بھی اسی میں ہے۔

رضائے الٰہی کی بات اکثر ہماری زبانوں پر رہتی ہے، ہم صبح و شام اس کا وظیفہ پڑھتے ہیں۔ ہے بھی سیدھی اور صاف بات۔ لیکن سوچ اور عمل کے لیے اس مختصر اور سادہ سی بات کے بعض اہم اور نازک مضمرات ہیں۔

ا۔ اگر رضائے الٰہی ہی ہمارا نصب العین ہے، تو ہر کام میں ہمارا مدّعا اور ہدف یہی، اور صرف یہی ہونا چاہیے۔ اس میں نہ کوئی آمیزش ہونا چاہیے، نہ یہ ہو کہ زبان پر تو یہ مدّعا ہو اور دل میں چپکے چپکے کسی اور ہی مدّعا نے گھر کر لیا ہو۔ استخلاف فی الارض کا وعدہ ایسی ہی مخلصانہ بندگی کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے۔ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا (النور) ــ "صرف میری ہی غلامی کریں اور اس غلامی میں میرے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ کریں"۔ بندگی میں حنیف و مخلص ہونے کا قرآن مجید میں بے شمار جگہ ذکر ہے۔ حنیف وہ ہے جو ہر چیز سے کٹ کر صرف اللہ کا ہو رہے۔

کیا رضائے الٰہی ہی فی الواقع ہمارا نصب العین ہے؟ چند چھوٹے چھوٹے معیار ہیں جن پر پرکھ کر ہم اپنا امتحان کر سکتے ہیں۔ دنیا میں اپنی منزل تک پہنچنے میں تاخیر یا ناکامی پر ہمیں مایوسی کیوں ہو؟ اُوپر سے کوئی کہنے والا، ٹھیلنے والا نہ ہو، تو ہم ہاتھ پر ہاتھ دھر کر کیوں بیٹھ جائیں؟ اختلاف رائے ہو، تو ہمیں اپنی رائے منوانے پر اصرار کیوں ہو؟ ساتھی غلطیاں کریں تو ہم سمجھانے کے لیے نرمی و دلسوزی کے بجائے شدت و غلظت کیوں اختیار کریں؟ منصب سے ہٹنے کی نوبت نظر آئے، تو ہمیں خوشی کے بجائے خلش اور اس پر جمے رہنے پر اصرار کیوں ہو؟ ہمارے ہی ساتھی اگر ایسی بات کہہ دیں یا کر دیں جو ہمیں ناگوار ہو یا جس سے ہمارے نفس کو چوٹ لگتی ہو، تو ہم

غصّہ سے بے قابو کیوں ہونے لگیں، ہماری تیوریاں کیوں چڑھیں، ہماری زبان تلخ کیوں ہو جائے، ہم بدلہ لینے پر کیوں اُتر آئیں؟ ہمیں تقریر کی دعوت نہ ملے، اسٹیج پر موزوں مقام نہ ملے، مناسب عزت و تکریم نہ ہو، تو ہمارا دل کیوں بھینچنے لگے اور اس میں غیظ و غضب کا شعلہ کیوں سر اُٹھائے؟

میں اپنے رفقا سے حُسنِ ظن رکھتا ہوں، اور مجھے پوری اُمید ہے کہ وہ ان باتوں پر خود کو تولیں گے تو پورے اُتریں گے۔ لیکن شیطان کے کید و خدع کو کبھی ہلکا نہ سمجھنا چاہیے، اور اپنے محاسبۂ نفس سے کبھی غافل نہ ہونا چاہیے۔ وہ کسی کارِ بد میں نہ ڈال سکے...... تو نیک کاموں کو غارت کرنے کے درپے رہتا ہے۔ اور نیک کام جتنا اعلیٰ درجہ کا ہو، اور جہاد سے زیادہ اعلیٰ کام کیا ہو سکتا ہے، تو وہ اپنی وسوسہ کاریاں اتنی ہی شدید کر دیتا ہے۔

اعتصام باللہ اور ابتغاء مرضات اللہ کی اس جستجو میں جہاد، عوامی دعوت اور سیاسی جدوجہد ایک نازک امتحان سے دوچار کر دیتی ہے۔ ایک طرف، یہ کام اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ آپ عام لوگوں کے درمیان رہیں، ان میں دعوت و تعلیم کا کام کریں، ان کو اپنے ساتھ جمع کریں، ان میں اپنا اثر و رسوخ بڑھائیں، ان کو ایک قوت میں تبدیل کریں۔ دوسری طرف، ان میں ہر کام اخلاص کے لیے پُرخطر ہے۔ بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ للّٰہیت اور اخلاص کے حصول کا راستہ یہی ہے کہ انسان یہ کام ترک کر دے، گوشۂ عزلت میں بیٹھ جائے، دوسرے لوگوں سے سروکار نہ رکھے۔ لیکن پھر دعوت الی اللہ، اصلاحِ مخلوق، اور قیامِ قسط کا کام کس طرح ہوگا؟ اس لیے اگرچہ امتحان نازک اور کڑا ہے، لیکن کامیابی کی صورت میں اجر بھی بہت عظیم ہے۔ ایک انسان آپ کی سعی و کاوش سے راہِ ہدایت پر آجائے، یہ ایک ایسا صدقہ جاریہ ہے کہ حد و حساب نہیں۔ یہ بہر حال حقیقت ہے کہ یہ راہ رہبانیت سے زیادہ کڑی راہ ہے۔ اسی لیے اس کو اس اُمت کی رہبانیت قرار دیا گیا ہے۔

۲- اللہ کی رضا کوئی ایسا کام کر کے ہرگز بھی حاصل نہیں ہو سکتی جو اس کو

ناراض کرنے والا ہو۔ اس لیے رضائے الٰہی کا حصول جس کی آرزو ہو، اور اس کی جستجو جس کی کاوش ہو، وہ سب سے بڑھ کر خود کو ایسے کاموں سے بچائے گا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوں اور ایسے کام رضائے الٰہی اور جہاد فی سبیل اللہ کے نام پر کرنے کی خوفناک جسارت ہرگز نہ کرے گا۔ اسی لیے تقویٰ کو جو دراصل اللہ کی ناراضگی سے بچنے کا نام ہے، نیکیوں میں سرفہرست رکھا گیا ہے اور نیکیوں کا سرچشمہ بتایا گیا ہے۔

شیطان وعدے وعید کے جال بچھاتا ہے، اور سبز باغ دکھا کر اپنے پھندے میں پھانستا ہے۔ اِن میں اس کا ایک بڑا پُرفریب داؤ یہ ہے کہ وہ بُرائیوں کو نیکی کا لبادہ اوڑھا دیتا ہے۔ بُرائی جانتے ہوئے بھی نیکی کی خاطر، انسان بُرائی کے پھندے میں پھنس جاتا ہے۔ اس لیے جو رضائے الٰہی کا طلب گار ہو اُسے یہ اُصول اپنے سامنے رکھنا چاہیے کہ کوئی ایسا کام کر کے جو اللہ کو ناپسند ہو اُس کی رضا حاصل نہیں ہو سکتی۔

لیکن اس معاملے میں کہ کیا کام اللہ کو ناپسند ہیں، دین کے اُصولوں کے دائرہ میں رہنا چاہیے اور غلو سے بچنا چاہیے۔ فرائض بھی واضح ہیں، ان میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔ حرام و حلال بھی واضح ہیں۔ طیبات سب حلال ہیں۔ کسی حرام کو حلال کرنا جتنا بڑا گناہ ہے، حلال کو حرام کرنا بھی اس سے کم درجہ کا گناہ نہیں — اجتہادی اُمور میں، فہم نصوص کا معاملہ ہو یا مستنبطات کا، اُصولوں کا ہو یا جزئیات و فروعیات کا، اُس چیز سے سختی کے ساتھ بچنا چاہیے جو اپنے علم کے مطابق، یا جس عالم پر اعتماد ہو اُس کی رائے کے مطابق، اللہ کو ناراض کرنے والی ہو۔ لیکن اگر کسی کی رائے اس معاملہ میں اس سے مختلف ہو اور اس کے پاس دلیل شرعی موجود ہو، یا وہ کسی مختلف رائے رکھنے والے عالم کی رائے پر چل رہا ہو، تو اُس پر اپنی رائے مسلط نہ کرنا چاہیے۔ نہ اس کے بارے میں فتویٰ بازی کی روش اختیار کرنا چاہیے۔ سلف کے زمانہ سے اجتہادی اُمور میں توسع کا معمول ہی

چلا آرہا ہے۔

۳۔ دُنیا میں ملکیت اور تدبیر و تصرف کے سارے اختیارات صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہیں۔ اس لیے نفع و نقصان صرف اس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جو نفع پہنچانا چاہے، اُسے کوئی چھین نہیں سکتا۔ جس کا نہ ملنا اُس نے مقدّر کر دیا ہے، وہ کوئی دے نہیں سکتا۔ جو نقصان و ضرر اس نے لکھ دیا ہے اُسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ یہ یقین توحید کی رُوح ہے۔ اِس کے بغیر اقامتِ دین کی راہ طے نہیں ہو سکتی۔ رضائے الٰہی کی جستجو میں بھی قدم بڑھانا ممکن نہیں۔

اِسی سے توکّل پیدا ہوتا ہے۔ توکّل ترکِ اسباب کا نام نہیں، ترکِ رویتِ اسباب کا نام ہے۔ یعنی ہم سارے اسباب جمع کریں، ساری تدابیر اختیار کریں، ہر ایک بہتر سے بہتر ہو، لیکن ان اسباب ہی کو مُسبّب نہ سمجھیں، ان تدابیر ہی کو مدبّر نہ سمجھ بیٹھیں۔ مُسبّب اُس کو سمجھیں جس نے آسمان و زمین کے سارے اسباب و وسائل پیدا کیے اور عرش پہ قائم ہو گیا۔ مدبّر اُس کو سمجھیں جس نے اپنے بارے میں کہا ہے کہ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ۔ (وہ آسمان سے زمین تک ساری تدبیر کرتا ہے)۔

اِس راہ میں بھی ایک نازک مقام آتا ہے۔ ایک طرف توکّل کا تقاضا یہ ہے کہ ہم مقدور بھر ہر قسم کے وسائل جمع کریں۔ قلّت کو کثرت سے بدلنے کی کوشش کریں، اور ضعف کو قوّت سے۔ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ پہ عمل پیرا ہوں۔ دوسری طرف بھولے سے بھی اپنی تعداد اور قوت پہ نازاں نہ ہوں، اس کا غرّہ نہ ہو، اسی کو اصل سبب نہ سمجھنے لگیں۔ ایسا ہو تو نہ تعداد ہمارے کام آئے گی، نہ مادّی وسائل۔ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا۔ (جب اپنی کثرتِ تعداد دیکھ کر تم خوش ہونے لگے تو تمہاری کثرتِ تعداد تمہارے کچھ کام نہ آئی) کی صورتِ حال سے سابقہ پیش آ سکتا ہے۔

۴۔ اخلاص ہو یا تقویٰ، توکّل ہو یا صبر، جو چیز ان سب کی مضبوطی کا سرچشمہ

ہے، جس سے زندگی اور جدوجہد میں رنگ اور استقامت پیدا ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ ہمیں سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے محبت ہو۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ۔ (اور ایمان والے سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں)۔ محبت فاتحِ عالم۔ اسی سے اپنے نفس کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں، اور اپنے اندر کی مملکت فتح ہوتی ہے۔ اسی سے انسانوں کے دل فتح ہوتے ہیں۔ اسی سے مملکتِ ارضی فتح ہوتی ہے۔

سب سے بڑھ کر محبت اللہ سے ہو، نہ اپنے نفس سے نہ جاہ سے نہ دُنیا سے، تو اخلاص کے سارے پُرخطر اور نازک مقامات طے کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ محبت ہو، دل کو لگی ہو، تو کسی بیرونی دباؤ کے بغیر، اپنے اندر کے جذبۂ محبت سے سرشار ہو کر ہم راہِ حق میں سرگرمِ عمل رہتے ہیں۔

اللہ سے محبت ہو تو ہر اُس چیز سے محبت ہو جاتی ہے جس کو اس سے نسبت ہو۔ اُس کے رسولؐ سے، اُس کی کتاب سے، اُس کے گھر سے، اس کے احکام سے، اس کے لیے کام کرنے والی جماعت سے، اس کے راہ میں ساتھ چلنے والوں سے، اور چلانے والوں سے۔ اس محبت کے تقاضوں اور آداب سے کون واقف نہیں۔ اِن تقاضوں اور آداب کو ملحوظ رکھے بغیر محض محبت کے دعوے کچھ فائدہ نہیں دیتے۔

---

اعتصام باللہ ہی آپ کے لیے قوت کا اصل سرچشمہ ہے۔ اپنے لیے ضبطِ نفس اور شوقِ منزل کا حصول اِسی مدرسہ میں ہو سکتا ہے۔ جماعت کی قوت کا اصل سرچشمہ بھی یہی ہے۔ اِسی کی مدد سے جہاد اور عوامی و سیاسی جدوجہد کی پُرخار راہ پر سے آپ بسلامتی گزر سکتے ہیں۔

اس کے حصول کا راستہ مختصراً اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا مولیٰ و آقا بنائیں، اسی کو اپنا مددگار بنائیں۔ اُسی کے آگے جُھک جائیں، اُسی کے

آگے بچھ جائیں، اُسی کی غلامی اختیار کرلیں، اسی کے بن جائیں، اسی کے ہو رہیں، اور اس کی مخلوق کے ساتھ مجسم خیر و بھلائی بن جائیں۔ اُس کو اُٹھتے، بیٹھتے، لیٹے یاد رکھیں، صبح و شام یاد رکھیں۔ وہ ہر وقت میرے ساتھ ہے، دیکھ رہا ہے، سُن رہا ہے۔ ہر چیز اُس کی بخشی ہوئی ہے۔ جتنا شکر ادا کروں، کم ہے۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ جتنا ڈروں، اتنا ہی کم ہے۔ اس کی رضا کا جو کام بھی بن پڑے، وہ کر دوں۔ ہر وقت اس سے ملاقات کی گھڑی کو یاد رکھوں، اور اس ملاقات کے لیے تیاری کی کوشش میں لگا رہوں۔ یہ ہے یادِ الٰہی۔

یہ چیز آپ کو حاصل ہو جائے تو جو کام اللہ کی راہ میں ہو، اس کے حکم کے خلاف نہ ہو، صرف اس کے لیے ہو، وہ کتنا ہی دُنیوی اور سیاسی ہو، آپ کے لیے عین دینی اور خیر و برکت کا کام ہے۔ اور یہ نہ ہو، تو کوئی کام بظاہر کتنا ہی دینی اور تعمیری کیوں نہ ہو، آپ کے لیے بالکل بے نتیجہ ہے، بلکہ ضرر رساں ہو سکتا ہے۔ نماز بھی ایک خالص سیاسی اور دُنیوی کام بن سکتی ہے، اور تلوار لے کر انسانی خون بہانا جیسا سیاسی و دُنیوی کام بھی ایک اعلیٰ دینی کام بن سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہی نصرتِ الٰہی کی کلید ہے۔ لیکن دوسرا ذریعہ جس کی اللہ تعالیٰ ہماری تائید فرماتا ہے وہ ہے "مومنین کی جماعت"۔ اس جماعت کی قوت کا اصل راز تو ایمان باللہ یا اعتصام باللہ ہے، لیکن چند اور بنیادی اہمیت کی حامل چیزیں بھی جماعت کی قوت کے لیے ناگزیر ہیں۔ اس موضوع پر ہم ان شاءاللہ آئندہ کسی شمارہ میں گفتگو کریں گے۔

---

(۲)

ملک میں ایک عرصہ سے امن و امان کی صورتِ حال انتہائی تشویشناک چلی آ رہی ہے۔ یہ صورتِ حال سُدھرنے کے بجائے روز بروز مزید بگڑتی رہی ہے۔ خرابی مسلسل بڑھتی رہی ہے۔ لاہور کے محلہ اسلام پورہ میں اور شیخوپورہ میں ہونے

والے حالیہ واقعات نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ خرابی اور بگاڑ اپنی انتہائی حدوں تک پہنچ چکا ہے۔ ملک ڈاکوؤں، قاتلوں، تخریب کاروں اور دہشت گردوں کی گرفت میں ہے، اور امن و امان قائم کرنے کے ذمہ دار خاموش اور بے بس تماشائیوں کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ گنجان آبادی والے محلّوں میں، اپنے بظاہر محفوظ گھروں کی چار دیواری کے اندر، دن دہاڑے ان کے مکین موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔ اسلام پورہ میں تیرہ بے گناہ مرد اور عورتیں، بوڑھے، جوان، اور چھوٹے چھوٹے معصوم بچے، چھُریوں سے ذبح کر دیئے گئے۔ شیخو پورہ میں اسی طرح پانچ افراد سینوں میں چھُرے گھونپ کر ہلاک کر دیئے گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہمارے بھائی، بہن اور بچے جو ایسی بربریت کے ساتھ اپنے گھروں میں قتل کیے گئے، اور سارے قرائن سے اب تک یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیرونی دشمنوں کے ایجنٹوں کے ہاتھوں قتل کیے گئے، بلاشک وہ شہید ہوئے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ان کو شہداء کے مقام پر فائز فرمائے اور شہدا کے درجات و ثواب عنایت کرے۔ اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دُعا ہے کہ وہ ان کے پس ماندگان کو رضا بالقضا اور صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

سندھ تو عرصہ سے بدامنی، لاقانونیت اور دہشت گردی کی آگ میں جل رہا ہے۔ آبادیوں کے اندر گھس کر گھر گھر بے گناہوں کا قتلِ عام ہوتا ہے۔ راہ چلتے لوگوں پر گاڑیوں سے فائرنگ کر کے ان کو ہلاک کیا جاتا ہے۔ بسوں کو روک کر مسافروں کو محصور دیا جاتا ہے۔ تعذیب کے لرزہ خیز طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔ سیاسی مخالفین کے ہاتھ پاؤں توڑ دیئے جاتے ہیں، ان کے سروں اور اعضاء میں برقی ڈرل سے سوراخ کیے جاتے ہیں، اُن کو زندہ جلا دیا جاتا ہے۔ خانہ جنگی ہوتی ہے۔ بے دریغ لوگ مارے جاتے ہیں۔ فوجی افسروں کی نگرانی میں اغوا شدہ قیدیوں کا تبادلہ ہوتا ہے، جن میں اکثر زندہ لاش بن چکے ہوتے ہیں۔ ڈاکہ زنی ایک منظّم کاروبار اور صنعت بن چکا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ستره ہزار مسلّح ڈاکو مصروفِ کار

ہیں۔ ان کو با اثر وڈیروں، سیاستدانوں، پولیس اور انتظامیہ کے افسران اور حکمرانوں کی سرپرستی حاصل ہے۔ جنگلوں میں اُن کے اڈے ہیں جہاں ہر طرح کا سامانِ تعیّش ان کو میسّر ہے۔

بد امنی کی اس لہر نے اب پنجاب کا رُخ کر لیا ہے۔ اسلام آباد جو حکمرانوں اور بڑے لوگوں کے لیے محفوظ جزیرہ بنایا گیا تھا وہ بھی.... محفوظ نہیں رہا۔ وزیر اعظم کے اسپیشل اسسٹنٹ کے گھر میں ڈاکہ پڑا۔ اور ڈی آئی جی کے ایک بڑے افسر کے گھر میں قتل کی واردات ہوئی۔ لاہور میں چوری اور ڈاکے اب معمول کے کام بن چکے ہیں۔ پولیس کے سامنے ایک طالب علم لیڈر کو گولی سے مار دیا گیا، پولیس کے سامنے ہی اسکوٹر پر سوار ایک تاجر کو گولی سے زخمی کر کے ساڑھے سات لاکھ روپے لُوٹ لیے گئے، پولیس تھانے کے بالکل سامنے ہی یوٹیلٹی سٹور لُوٹ لیا گیا۔

ایک مرض یا فساد تسلسل کے ساتھ موجود رہے، تو بالعموم وہ لوگ جن پر براہِ راست اُس کی زد نہیں پڑتی، لاپرواہی، بے حسی اور غفلت کی منشیات میں اپنے لیے امن و سکون تلاش کر لیتے ہیں۔ لیکن پھر اچانک بعض دفعہ یہ فاسد مواد اس طرح پھوٹ کر نکلتا ہے کہ ان کا یہ مصنوعی سکون و چین غارت ہو جاتا ہے۔ لوگ چونک پڑتے ہیں، لرز اُٹھتے ہیں، اور خوف و دہشت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ گذشتہ دنوں لاہور اور شیخوپورہ میں ہونے والے واقعات اسی نوعیت کے واقعات ہیں۔ کچھ بعید نہیں کہ اس نوعیت کے اور بھی واقعات ہوں۔

---

یہ دہشت اور تخریب کی کارروائیاں کس نے کیں، اور کیوں کیں؟ اس بارے میں صحیح معلومات حاصل کرنا اور قوم کو باخبر کرنا تو حکومت کی ذمہ داری ہے، مگر سارے قرائن بتاتے ہیں کہ ان کے پیچھے بھارت اور اس کی خفیہ ایجنسیوں کے ہاتھ لازماً ہیں۔ یہ کام کرنے والے ان کے بھیجے ہوئے ایجنٹ ہیں، یا انہوں نے مقامی لوگوں

کو خرید کر اپنا ایجنٹ بنا لیا ہے۔ ایسی کارروائیاں انتہائی تربیت یافتہ لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ ایک گھر میں کئی لوگ داخل ہوں، کافی وقت رہیں، باہر سے آنے والوں کو بھی قابو کرتے جائیں، ۱۳ افراد کو صفائی کے ساتھ ذبح کر ڈالیں، اور نکل جائیں، — یہ کام عام آدمی کا کام نہیں۔

بھارت کے مقاصد واضح ہیں۔ وہ اپنے ملک میں — آسام، ناگالینڈ، پنجاب وغیرہ میں — خلفشار کا شکار ہے۔ کشمیر میں بھارتیوں کو ایک منظم اور مسلح جدوجہد آزادی سے سابقہ ہے۔ روزانہ ان کے فوجی مارے جاتے ہیں، اور ان کے فوجی خود نہتے شہریوں کے خلاف قتل و آبروریزی کی لرزہ خیز کارروائیوں میں مصروف ہیں۔ یہ قیاس مشکل نہیں کہ اپنی مشکلات سے توجہ ہٹانے کے لیے پاکستان میں، بالخصوص پنجاب میں، دہشت گردی اور تخریب کاری کی یہ انتہائی لرزہ خیز وارداتیں کی گئی ہیں۔

اس طرح وہ کئی فوائد حاصل کرنے کا سوچ سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہندوستان کے پنجاب کی طرح یہاں کے پنجاب کی آبادی کو خوف اور دہشت کا شکار کر کے ان کے حوصلے پست کیے جائیں۔ موجودہ جنگوں میں شہری آبادیوں پر بمباری اسی مقصد سے کی جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ عام آبادی میں بدحواسی اور اضطراب پھیلے اور کاروبار زندگی درہم برہم ہو، اور ملک کی معیشت تباہ ہو۔ اسی لیے شاید ان کارروائیوں کا نشانہ تاجروں اور چھوٹے صنعت کاروں کو بنایا جا رہا ہے۔ تیسرے یہ کہ حکومت عدم استحکام کا شکار ہو۔ چوتھے یہ کہ ملک کا سیاسی نظام ایک دفعہ پھر عدم استحکام کا شکار ہو۔ پانچویں یہ کہ ایک طرف سیاسی عدم استحکام، معاشی بدحالی، شہریوں کے اموال کی شکست و ریخت، دوسری طرف ڈپلومیٹک سازشوں کا تانا بانا، تیسری طرف امریکہ اور دیگر بین الاقوامی طاقتوں کا دباؤ، یہ سب مل کر ایسی فضا بنے کہ، کشمیر کا جہاد ہو یا نیوکلیر دفاع کا مسئلہ، افغانستان کا جہاد ہو یا فلسطینیوں کی حمایت، پاکستان میں جو حکومت بھی ہو وہ بالآخر صحیح قوتِ فیصلہ و عمل سے محروم ہوتی جائے، موم ہوتی جائے، مڑتی جائے، جھکتی جائے

نرم چارہ بن جائے، اور بالآخر ہر معاملہ ایسے فیصلے، پالیسیاں اور راہِ عمل اختیار کرے جو امریکہ اور بھارت جیسے ممالک کے مفاد میں ہوں۔

سندھ میں جب تخریب کاری کے واقعات ہوئے، انتہائی اعلیٰ سطح تک کے افسران نے یہ اعلان کیے کہ یہ کارروائیاں بیرونی طاقتوں کے ایجنٹ کر رہے ہیں۔ تربیت یافتہ ایجنٹوں کے ملک میں داخل ہونے کے اعلانات بھی کیے گئے۔ لیکن بدقسمتی سے آج تک ایک بھی بیرونی ایجنٹ کو پکڑ کے، مقدمہ چلا کے، حقائق منکشف کر کے، جرم ثابت کر کے، سزا نہیں دی گئی۔ کیا اب اسلام پورہ اور شیخوپورہ جیسے واقعات کا انجام بھی یہی ہونے والا ہے۔

اب وقت آگیا ہے کہ ملک کے محبِ وطن عوام بیدار ہوں۔ وہ منظم ہوں اور دشمن کے اس حملہ کو ناکارہ بنانے کے لیے خود اپنا دفاع کریں۔ ہوشیار اور چوکس رہیں۔ ایک دوسرے کے حالات سے باخبر رہیں اور باہمی مدد کو پہنچیں۔ اسلام پورہ اور شیخوپورہ میں دہشت گرد اتنی بڑی کارروائیاں کر کے اس طرح نکل گئے کہ کسی پڑوسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔ یہ سوچنے کا مقام ہے کہ ایسا کیسے ہو سکا۔ محلوں میں کمیٹیاں بنائی جائیں۔ خوف و ہراس، بدحواسی و پست ہمتی اور جذباتی کارروائیوں سے بہر صورت اجتناب کریں۔

جماعتِ اسلامی کے کارکنوں کو خاص طور پر آگے بڑھ کر بیداری اور جرأت و ہمت سے کام لیتے ہوئے عوام کو منظم کرنے، ان کے حوصلے بڑھانے، اور ان کو خوف و ہراس سے محفوظ رکھنے کے لیے سرگرمِ عمل ہو جانا چاہیے۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات سے لے کر آج تک جماعتِ اسلامی کے کارکنوں نے ایسے مواقع پر بھرپور خدمات انجام دی ہیں۔ اس وقت بھی ان کو اپنے فرائض کی انجام دہی میں پیچھے نہ رہنا چاہیے۔ اسی طرح اسلامی جمعیت طلبہ، اسلامی جمعیت طالبات، پاسبان، نیشنل لیبر فیڈریشن جیسی تنظیموں کو بھی اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے آگے آنا چاہیے۔ ہم گلیوں اور محلوں میں تمام دینی، سیاسی اور سماجی کارکنوں

سے بھی اپیل کرتے ہیں کہ وہ سیاسی اور مذہبی اختلافات سے بالاتر ہو کر ملک دشمن عناصر کے مقابلہ میں خود بھی منظم ہوں، اور عام شہریوں کو بھی منظم کریں۔

ضروری ہے کہ اس وقت قوم میں یکجہتی پیدا کی جائے۔ حکومت اور اپوزیشن ہوشمندی کا ثبوت دیں۔ امن و امان کے مسئلے کی آڑ لے کر جمہوری روایات کو پامال کرنے کی کوشش کی گئی تو آنے والی ہر حکومت کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اپوزیشن امن و امان کے مسئلہ کو سیاسی اکھاڑہ نہ بنائے، اور اس کے ذریعے حکومت کو غیر مستحکم کرنے کا کام نہ کرے۔ اس طرح حکومت کا فرض ہے کہ اس مسئلہ کی آڑ میں سیاسی مخالفین کو کچلنے اور دبانے کے بجائے قومی مفاہمت، رواداری اور اتحاد کی روش اختیار کرے۔

اس موقعہ پر حکومت کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ ان اندرونی خرابیوں کی اصلاح کرے جن کی وجہ سے بدامنی بڑھتی جا رہی ہے، عام اخلاقی بگاڑ، غربت اور مہنگائی اور معاشی تفاوت ختم کرنے کے علاوہ پولیس اور انتظامیہ میں بنیادی اور انقلابی تبدیلیاں ناگزیر ہیں۔ اس سلسلہ میں ضروری یہ ہے کہ آئی جے آئی کے منشور کو عملی جامہ پہنانے کی بھرپور کوشش کی جائے۔

---

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم یہ جانتے ہیں کہ دنیا میں جو فساد ظاہر ہوتا ہے وہ انسانوں کے اپنے اعمال کا محصل ہوتا ہے۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ ۔ قوموں کو اگر بگاڑ، فساد، اور تباہی و بربادی سے سابقہ پڑتا ہے تو وہ بھی دراصل ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے، حدیث قدسی سے بھی ہم کو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان معلوم ہے کہ "یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جو تمہاری طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں۔ پس جو بھلائی پائے وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور جو خرابی پائے وہ خود اپنے آپ کو

ملامت کرے"۔ (مسلم بروایت ابی ذر)

اس موقع پر سب سے ضروری اور اہم بات یہ ہے کہ ہم سب انفرادی اور اجتماعی طور پر اللہ کی طرف رجوع کریں۔ اپنا احتساب کریں، اپنے اعمال کا جائزہ لیں، اللہ کے سامنے خطاکار غلاموں کی طرح حاضر ہو جائیں، روئیں اور گڑگڑائیں، اپنے گناہوں پر استغفار کریں، توبہ کا سامان کریں، کسی پر زیادتی کی ہو تو اُس کی تلافی کریں، صدقِ دل سے آئندہ گناہوں سے اجتناب کا عہد کریں۔

اجتماعی طور پر بھی ایسا ہی کرنا ضروری ہے۔ اگر ہم پر خون ریزی کی لعنت مسلط ہے، اگر ہم قساوتِ قلب کا شکار ہیں، تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ نقضِ میثاق کے جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اگر ہمارے درمیان عداوت و بغض کی وبا پھیل گئی ہے، تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اللہ نے ہم کو جو ہدایت دی تھی اور جو مشن سپرد کیا تھا، بحیثیت قوم و ملّت ہم نے اُسے فراموش کر دیا ہے۔ پاکستان اسلام کے لیے بنا تھا، لیکن ۱۹۴۷ء سے جو کھیل ہم شریعت کے نام پر کھیل رہے ہیں، اس کی ایک سزا ہم ۱۹۷۱ء میں بھگت چکے ہیں جب پاکستان دو ٹکڑے ہو گیا۔ آج بھی ہم اللہ کی گرفت سے نہیں بچ سکتے اگر وہ ہم کو سزا دینے کا فیصلہ کر دے۔ لیکن تجدیدِ ایمان، استغفار، توبہ اور تقویٰ سے عذاب ٹل جاتے ہیں، اور آسمان و زمین سے برکتوں کے دہانے کھل جاتے ہیں۔